آرٹس کونسل کراچی میں مؤرخہ 20 نومبر 2024 کو سعیدہ گذر کے تعزیتی اجلاس کے موقع پر میری چند معروضات

یہ شاید جنگ عظیم دوئم کا وقوعہ ہے کہ جب ایک ادیب نے یہ کہہ کر نازی مخالف احتجاج کا حصہ بننے سے انکار کیا کہ اس کا ایک جوان بیٹا ہے تو ایک اور ادیب نے یہ کہتے ہوئے اس احتجاج کا حصہ بننے پر حامی بھری کہ اس کا ایک جوان بیٹا بھی ہے۔ ہماری سعیدہ گذر ادیبوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں جو ضمیر و تحریر کی آزادی کو مقدم سمجھتے ہیں۔

ناروے کے ایک ٹی وی چینل کو دیئے گئے انٹرویو میں سعیدہ گذر کا کہنا تھا کہ انہیں اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ پچاس سال کے بعد ان کی تحریروں کو کیا مقام حاصل ہوتا ہے بلکہ ان کے لیے اہم یہ ہے کہ ان کی تحریریں آج کے جبر و استبداد میں عوام کے ساتھ کھڑی ہیں یا ان پر جبر کرنے والے حکمرانوں کے ساتھ۔

سعیدہ گذر 1980 کے عشرے کے وسط میں اس ٹی وی انٹرویو پر کہی ہوئی اپنی بات کا عملی ثبوت 1972 میں اس وقت دے چکی تھیں جب بنگالیوں کے خون کے پیاسے بنے ہوئے پاکستان میں انہوں نے بنگال کی جنگ آزادی کے دوران ہلاک کیے گئے بنگالی ادیب، دانشور اور صحافی شہید اللہ قیصر کے ایوبی آمریت کے دوران جیل میں لکھے گئے ایک بنگالی ناول کا ملاح کی بیوی" کے عنوان سے نہ صرف ترجمہ کیا بلکہ اس کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔"

کچھ ہی برس بعد جب ضیا مارشل لا میں ریاستی پشت پناہی سے پروان چڑھنے والی مذہبی جنونیت کے زیر اثر کراچی کی ایک مسجد کے باہر ایک لاوارث نوزائیدہ بچے کو مسجد سے نکلنے والے نمازیوں نے پتھروں سے سنگسار کر دیا تو سعیدہ گذر کہہ اٹھیں

وہ نکلے"

پیشانی پر سجدوں کے نشاں سجائے

کلمہ پڑھتے، درود گنگنائے

انگلیوں پر تسبیح کے دانے گھماتے

غصہ میں منہ سے جھاگ اگتے

نفرت میں تھر تھر کانپتے۔

چادر میں لپٹی یہ روح شیطانی

معصومیت کے بھیس میں بلا ناگہانی

آؤ اس سے پہلے کہ یہ عفریت

چادر سے نکلے

جیون کا امرت پیئے

اور ہمارے سینوں پر مونگ دلے

"اسے کچل دیں

یاد رہے کہ اس المناک واقعے کے بعد عبدالستار ایدھی نے اپنے تمام تر مراکز کے باہر ایسے بچوں کی محفوظ پناہ گاہ کے لیے جھولے رکھوائے اور مولویوں سے کفر کا فتویٰ پایا۔

پھر جب ایک فوجی آمریت کے دوران ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت دی گئی تو ایک اور سیاسی جماعت کے ساتھ اپنی وابستگی کے باوجود سعیدہ گزدر نے اپنی مشہور احتجاجی نظم "ٹھیک دو بچے" لکھی۔

جنرل ضیا کی فوجی آمریت کے دوران مسلط ہونے والے اسلامی قوانین کے تحت عورت کی گواہی کو مردوں کے مقابلے میں نصف قرار دیئے جانے کے خلاف سعیدہ گزدر کی تحریر کی ہوئی نظم ایک طویل عرصے تک خواتین کی تحریک کا ایک طرح سے ترانہ بن گئی۔

جامشورو کے قریب تھوڑی ریلوے پھاٹک پر جب سندھ یونیورسٹی کے طالب علم فوج کی فائرنگ سے ہلاک ہوئے تو سعیدہ گزدر نے اپنا احتجاج اور دکھ کچھ اس طرح سے تحریر کیا:

بچے تو پھر بچے ہیں"

میرے ہوں یا تمہارے

ان بچوں کے

نازک اجلے سینوں میں

نفرت کی فصل جو اگاؤ گے

خود اس کے سنگ کٹ جاؤ گے

ظلم کی جو آگ لگاؤ گے

"خود اس میں جل جاؤ گے

جہاں تک مجھے علم ہے سات طالب علموں کی ان ہلاکتوں پر سعیدہ گزدر اور ہمارے دوست معین قریشی نے ہی اردو نظمیں تحریر کیں۔

وہ صرف درد کے رشتے کی ساتھی ہی نہیں بلکہ کوہ گراں سے گزر کر جاں سے گزر جانے کی بھی سعی کرتی ہیں۔ خواتین کے حقوق کے لیے مظاہرے ہوں یا کراچی میں امن کی بحالی کے لیے ریلیاں یا کراچی پریس کلب میں مشاعرے کے بعد حبیب جالب کی سندھ بدری کے خلاف احتجاج، سعیدہ گزدر اپنے قول و فعل میں کسی تضاد کا شکار نظر نہیں آتیں۔

وہ تو ہم سے شیخ ایاز کے الفاظ میں بس اتنا ہی دریافت کرتی ہیں کہ

سچ بڑا مجرم ہے"

زنجیروں میں جکڑا گیا ہے

روز اول سے پکڑا گیا ہے

ڈھونڈ ڈھونڈ کر مارا گیا ہے

الاؤ میں جلایا گیا ہے

کولہو میں پسوایا گیا ہے

ہاں پھر بھی اس کی رہی ہے

وہی ریت پرانی

جس کے من میں سیندھ لگائے

اس کا سارا چین چھینے

آج تیرے ہاں مہمان ہوا ہے

پر تو نے کبھی یہ بھی سوچا ہے

"کہ کس سے تیری یاری ہے